# بہائیت

بین الاقوامی سامراج اپنی نوآبادیوں کی بقا اور اپنی زندگی کے لیے آزادی طلب قوموں سے طرح طرح کی لڑائیاں لڑتا ہے اور آزادی چاہنے والی قومیں بھی اپنے معاشرتی، عملی اور نفسیاتی وسائل کے سہارے استعماری قوتوں سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ حکمرانوں کے خیال میں اس کا توڑ یہ ہے کہ متصادم قوتوں کو متحد نہ ہونے دیا جائے۔ تاریخ و سیاست کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ طاقتور، قابض اور مسلط شدہ استعماریوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے والی چیز قوموں کا اتحاد ہے۔ اسی لیے وہ اسے پارہ پارہ کرنے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔

اجنبی حکمراں کی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی ہر جگہ اور ہر موڑ پر سامنے رہی، معاشرتی بندھنوں کو توڑنے، تاریخی روابط منقطع کرنے اور عوامی زنجیروں کی کڑیاں الگ الگ کرنے کی مہم جاری رکھی گئی، اس سلسلے میں سامراج نے اپنی قوت سے کام لیا اور اس راہ میں حائل رکاوٹوں کو ہٹادیا ہے۔ حملوں کے وقت بڑی طاقتیں فقط جغرافیائی علاقے یا اقتصادی منڈیوں ہی کو نہیں تاکتیں بلکہ ان کی تیز تلواروں کا پہلا نشانہ قوموں کی ثقافت اور مذہبی عقائد ہوتے ہیں۔ جو قوم کسی ثقافت اور اعتقاد میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی ہو، جس کے اخلاق پختہ ہوں وہ اپنے اسی پس منظر سے زندگی و توانائی حاصل کرتی ہے وہ اسی فضا میں شخصیتوں کو ان کے جوش و خروش و کردار کو آگے بڑھاتی ہے۔ استعمار، قوم کو پس منظر سے جدا اور ان افکار سے خالی کرتا ہے کیونکہ جب تک کسی قوم کی ثقافتی صورت کو مسخ نہ کیا جائے، جب تک اس کے مضبوط رشتۂ اتصال اور مرکز اجتماع کو کمزور و متزلزل نہ کیا جائے اس وقت تک وہ اپنی جڑوں سے اپنے معاشرے کو اعتقادات و اخلاق کی رطوبت مہیا کرتی رہے گی اور زندگی میں تازگی برقرار رکھ سکے گی اور جب تک قوم میں پائیداری اور زندگی رہتی ہے اس وقت تک تسلط و حاکمیت اور فرمانبرداری کا حصول مشکل رہتا ہے۔ استعمار کی تاریخ کا خلاصہ و تجربہ یہی ہے کہ اس کا پہلا نصب العین، ثقافتی اکائی اور اعتقادی وحدت کو نقصان پہنچانا، اس اکائی کو توڑنا اور معاشرے کی اعتقادی ہم آہنگی کو پارہ پارہ کرنا اولین قدم ہو۔ اس کے بعد وہ اپنی حکمران ثقافت اور استعماری تہذیب کو مسلط کرنے کی راہ ہموار کرکے محکوم قوم کی تاریخ، ثقافت، تمدن اور فن و ہنر کو مٹادیتا ہے۔ بلاخوف تردید، انسانی اقدار کے عین مطابق، حقیقی اور سب سے بڑا انقلابی معاشرہ اسلامی معاشرہ ہے، کیونکہ اسلام کی حیات آفریں تکنیک اس کی خالق ہے۔ اب سے چودہ سو سال قبل مکہ میں رونما ہونے والی ثقافت پہلے دن سے آج تک استبداد اور سامراج سے برسرپیکار ہے، پرستاران اسلام اللہ پر توکل، دینی تعلیمات اور مستحکم ضوابط کی بنیاد پر ہمہ جہت کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ہر جگہ اسلامی معاشرہ وجود میں آئے اور ایمان، اجتماعی انصاف، آزادی و ترقی کا راج ہو۔ استعمار اور آمریت کا خاتمہ ہو۔ آخری دو صدیوں میں بین الاقوامی سامراج نے ایک نیا لبادہ اوڑھا وہ افریقہ، ایشیا اور امریکا کے ممالک پر قابض ہوا، اس وقت اس سے مردانہ وار واستوار مقابلہ کرنے والے لوگ مسلمان ہی تھے، جب یہ سیلاب رواں چلا تو صحیح آئیڈیالوجی رکھنے والے علماء مسلمانوں کے صحیح دینی رہنما اور دبستان اسلام کے واقعی نمائندے آگے بڑھے اور ان طوفانوں اور سیلابوں کے سامنے بند باندھنے لگے۔

انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ترکیہ کا عثمانی اور

ایران کا قاچاری خاندان (اسلامی جغرافیہ کی دو بڑی طاقتیں) زوال کے نقطۂ آخر پر پہنچ گئی تھیں، ان کے بڑوں نے اسلامی حکومت کی شاہراہ چھوڑ دی تھی، انگریز اور روس مدتوں سے مسلمانوں کے زرخیز علاقوں پر قبضے کے منصوبے بنا رہے تھے اور خیالی پلاؤ پکا رہے تھے ہر ایک کے دندان آز تیز تھے، مشرق وسطی کے ممالک پر بالادستی حاصل کرنے میں رسہ کشی تھی، ایران، ہندوستان اور روس کے درمیان خاص اہمیت کا حامل تھا، انگریز ایک سے بچنے اور ایک کو بچانے کے لیے اور روس گرم پانی میں آنے کی خاطر بے چین تھا، دونوں سامراج اپنی نئی تاریخ شروع کرنے کی فکر میں نئے نئے نقشے بنا رہے تھے۔ دونوں کی اسٹراٹیجی برسرکار تھی۔ ان کے مقابلے میں اسلامی ثقافت کی استواری اور ثروتمندی اور نظریاتی سرحدوں کے محافظ علماء دونوں سامراجیوں کے مقابلے میں دیوار بنے کھڑے تھے۔ دونوں دشمن چاہتے تھے کہ اس رکاوٹ کو اکھاڑ پھینکیں۔

فرقہ سازی اور جھوٹے مذاہب کی ایجاد، قوم کے ذہنوں میں پراگندگی پیدا کرنا حکومتوں کا شعار رہا ہے، استعمار کے یہ پرانے حربے ہیں۔ معاشرے میں تشیع اور عوام کے عقائد پر حملے لوگوں میں اختلاف پیدا کرتے ہیں اور نام و نمود چاہنے والے نئے فرقے سے وابستگی حاصل کرکے قوم کو نئی تنظیم کے نام سے دھوکہ دیتے ہیں، اس طرح سامراج کا مقصد پورا ہوجاتا ہے۔ سماج کا اعتقادی شیرازہ بکھرنا اس کی تمنا کا پورا ہونا ہے۔ چنانچہ ایران میں علماء کو معاشرے سے جدا کرنے، علماء کے کردار کو بے اثر بنانے اور وحدت ملی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے استعمار نے اس طرح کی تدبیر سوچی۔ بہائیت انہیں تدبیروں میں سے ایک تدبیر ہے۔ استعماریوں نے اس گروہ سے مقصد برآری کی۔ چونکہ یہ گروہ ایران میں پیدا ہوا ہے، اس لیے انہیں پہچاننے کے واسطے تاریخ و ثقافت ایران کا جاننا ضروری ہے۔ یہ عمل ایرانی افراد کے لیے نسبتاً آسان ہے، وہ اس نومولود اور پروردۂ استعمار کو زیادہ بہتر طریقے سے پہچانتے ہیں۔ گھر کی بات گھر والے ہی جانتے ہیں۔

ادھر نئی بات یہ ہوئی کہ سامراجیوں نے گزشتہ دنوں سے ایک نئی مہم آغاز کی ہے اور وہ بہائیوں کی از سر نو اصلاح و تنظیم و تبلیغ کا کام ہے ان کی یہ مہم ایران سے باہر شروع ہوئی کہ وہاں کے لوگ اس گروہ سے ناواقف ہیں اور ان لوگوں نے چہروں پر آزادی طلبی جیسے نعروں کے نقاب ڈال لیے ہیں۔ سامراج اس پردے میں بیٹھ کر ایک اور غلامی کا جال پھینک رہا ہے۔

بہائیوں کے سامراجی پٹھو اور ان کے آلۂ کار سرکار ہونے کا معاملہ ایران میں تو سب پر عیاں ہے اور بچے بچے کی زبان پر ہے، البتہ ایران سے باہر ایشیا، خصوصاً ایشیا سے دور بسنے والے لوگ ان بہائیوں کو اصلی روپ میں نہیں دیکھ سکتے، وہاں کے لوگ انہیں صلح و سعادت، روشن خیال و آزادی کے نقیب ہی سمجھیں گے۔ زیر نظر مقالہ اسی ضرورت کی بنا پر لکھا گیا ہے کہ ایک مقامی واقف حال ان کے چہرے سے نقاب ہٹاکر اصلی خدوخال کو نمایاں کرے۔

## بہائیت کی مختصر تاریخ:

تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں ایک شخص علی محمد شیرازی کے نام سے پیدا ہوا، شخصیت اور تصوف کے مبہم اور غیر واضح افکار و تعلیمات سے مرکب خیالات کی مہم شروع کرکے مہدی کا دعویدار بن بیٹھا۔ اس نے اپنے آپ کو واسطہ و "باب امام زمانہ" کہلوانا شروع کیا۔ اس لیے اس کے ہمنوا لوگ "بابی" کہلائے گئے۔

علی محمد، علمی طور پر درمیانی درجے کا پڑھا لکھا آدمی تھا۔ عربی و فارسی ادب وغیرہ کا جو نصاب نجی طور پر رائج تھا، اسی کا درمیانی درجہ طے کیا تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں نفسیاتی لحاظ سے غیر متوازن تھا اور جادوگری، رمل، چلہ کشی اور رمزیہ اوراد و وظائف، جن بھوت رجال غیب، حاضرات پر عجیب قسم کے اعتقادات رکھتا تھا۔ مثلاً آفتاب مسخر کرنے کے لیے ایران

کی جنوبی بندرگاہ بوشہر کی تیز دھوپ اور سخت گرم دوپہر میں چھت پر گھنٹوں جادو ٹونے پڑھتا اور عجیب و غریب حرکتیں کرتا تھا۔ بے چارے سادہ لوح عوام کو دعا، فال، رمل، گنڈے، تعویذ کے ذریعے فریفتہ کرتا رہا۔ شروع میں دعویٰ کیا کہ نائب امامِ زماں ہے۔ کچھ دنوں بعد امام زمانہ بن بیٹھا۔ پھر نبوت اور دین جدید لانے کا اعلان کردیا۔ آخر میں تو یہ نوبت پہنچی کہ تقریر و تحریر میں خدائی کا دعویٰ کرنے سے بھی نہ رکتا تھا۔

شیراز میں اہلِ دانش نے علی محمد کو گھیرا تو بحث کے بعد موصوف نے مسجد آکر عوام کے سامنے اپنے خود ساختہ اعتقادات سے توبہ کی۔ دوسری مرتبہ پھر اپنی مہم جاری کرنے کے بعد اہلِ تبریز نے پکڑا تو بہت رویا پیٹا اور اب کی مرتبہ تحریری معافی نامہ بادشاہ کو لکھ کر بھیجا۔ مگر علماء تبریز نے توبہ کے قابل قبول جاننے سے انکار کردیا، لیکن دیوانگی و خللِ دماغ کی بنا پر حکم قتل سے معاف رکھا۔ لیکن بابیوں کی ہنگامہ آرائی اور شورش پسندی سے مجبور ہوکر امیر کبیر صدر اعظم نے اس بنیاد پر قتل کا فرمان جاری کردیا کہ جب تک باب زندہ ہے اس کے پیروکار ہنگامہ آرائی سے باز نہیں آئیں گے۔

اصفہان کا حاکم، روسی الاصل، ارمنی منوچہر خان بڑا ظالم و سفاک آدمی تھا۔ اسے باب اور بابیوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ تاریخ سفارت خانہ ہائے روس و انگلستان سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ منوچہر کو بابیوں سے دلچسپی تھی بلکہ وہ زبانی طور پر ان کی حمایت اور عملاً ان کا دفاع کرتا تھا۔ اس نے حکم قتل کے بارے میں دخل بھی دیا، لیکن امیر کبیر نے اپنی رائے نہ بدلی اور حکم واپس نہ لیا۔ قزوین، مازندران، یزد، تبریز اور زنجان میں بابیوں نے علی محمد کی رہائی کے لیے زبردست ہنگامے شروع کیے، جن سے بہت زیادہ جانی و مالی نقصان کے علاوہ متعدد علاقوں میں بدنظمی پھیل گئی۔ سفارت خانوں کے لیے یہ گڑبڑ خاص دلچسپی کا باعث بنی، جو ممالک اپنے استعماری پروگرام بنائے بیٹھے تھے، انہیں اپنے مقاصد حاصل کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ سفیر برطانیہ نے اپنی حکومت کو ایک نوٹ بھیجا:

''اس واعظ (علی محمد شیرازی) کے اصول و عقائد کوئی نئی بات اپنے دامن میں نہیں رکھتے، اگر اس کے ماننے والوں کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور ان کا کوئی نوٹس نہ لیا جائے تو یہ لوگ اپنی موت آپ مرجائیں گے۔ البتہ یہ قید و بند ایسی چیز ہے کہ جس کے سہارے یہ مرنے سے بچ نکلیں گے۔''

بابیوں کے ہنگامے ایک بے بنیاد گروہ کو معاشرتی حیثیت دینے کا باعث ہوئے اور سادہ لوح، فرصت طلب افراد میں قوت حاصل کرنے کا راستہ بنے۔

علی محمد شیرازی کے پھانسی پانے کے بعد، مرزا یحییٰ نوری...... صبح ازل...... نے اپنی جانشینی کی دستخطی دستاویز پیش کرکے بابیوں کی رہبری و قیادت سنبھال لی۔ یحییٰ اپنے سوتیلے بھائیوں کے ساتھ دو سال تک ایران کے مختلف علاقوں میں روپوش رہا، اس مدت میں تین بہائی، بادشاہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانے کے جرم میں اور کچھ لوگ دوسرے جرائم میں گرفتار و قتل کیے گئے۔ حکومت نے ان کی سرگرمیاں ختم کرنے کے لیے چن چن کر پھانسیاں دیں، خطرناک فضا دیکھی تو مرزا یحییٰ، درویشی حلیہ بدل کر بغداد نکل گیا اور مرزا حسین علی، یحییٰ کا سوتیلا بھائی روسی سفارت خانے میں پناہ گزیں ہوا، سفیر روس نے واضح حمایتی موقف اختیار کیا اور صدر اعظم ایران کو ایک خط دیا، جس میں حسین علی کی جان و مال کی حفاظت کا مطالبہ درج تھا۔ لیکن حسین علی قید کیا گیا جس کے جواب میں حکومت روس نے ایران کو تنبیہی خط لکھا اور سفیر نے بڑی کوشش سے اسے آزاد کرالیا۔ ایران کی کھلم کھلا باب دشمنی اور روس کی کھلم کھلا حمایتِ باب و بابیہ کے بعد ان لوگوں کو ایران میں ٹھکانہ نظر نہ آیا تو سفیر روس کی سعی و سفارش سے حسین علی کو بغداد بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ اس کے بعد بابیوں کی گرفتاری اور قتل کا عمل شروع ہوگیا۔ اسی عالم میں حسین علی کو روسی و ایرانی محافظین کے ساتھ ایران سے بغداد پہنچادیا گیا۔

روس اور بہائیت سے متعلق یہ حقیقت بھی قابلِ توجہ ہے کہ عشق آباد شہر جنوب روس میں حکومت نے بابیوں کو عبادت

گاہ بنانے کی اجازت دی تاکہ روسی مسلمانوں سے مقابلہ ہوسکے۔ عشق آباد میں بہائیوں کی جمعیت بنی اور حکومت نے ان کی مطبوعات اور تبلیغات کی حمایت کی۔ جس کے جواب میں حسن علی نے زار روس کو ایک لوح بھیجی، جس میں بادشاہ کی تعریف وخوشامد کے ساتھ اپنے خادمانہ جذبات وشکر گزاری کا اظہار تھا۔

بغداد میں مقامی حکومت اور روس کی سعی وسفارش سے بابیوں کو عثمانی حکومت کا وفادار مان لیا گیا' اس کے نتیجہ میں منصب قیادت پر آپس میں رسہ کشی، پھر جھگڑا' پھر قتل وخونریزی تک نوبت پہنچی۔ ہر شخص کے پاس محمد علی کا دستخطی پروانہ اور ہر شخص دعویدار جانشینی تھا۔ فتنہ وفساد' چوری اور ڈاکہ بابیوں کا شعار بن چکا تھا لہٰذا لوگ بددل تھے، اس کے علاوہ مجاہد علماء کی سربراہی میں مسلمان عوام بھی ان کے مقابلے میں صف آرا تھے۔حکومت ایران بھی مسلسل سرکاری وغیر سرکاری طور پر عثمانی حکومت سے احتجاج کررہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بابی بغداد سے استنبول اور چند ماہ بعد ادرنہ منتقل کردیئے گئے۔ مرزا حسین نے یہاں رسمی طور پر جانشینیٔ باب کا دعویٰ کرکے اپنے سوتیلے بھائی مرزا یحییٰ سے ٹکر لی۔ اس کے بعد فریقین نے جعلی دستاویزات، فریب کارانہ دھوکہ دھڑی سے گروپ بنالیے۔ باہمی اختلافات بڑے عروج پکڑ گئے۔ حسین علی اور یحییٰ نے اپنے طور پر کسی نہ کسی مخالف ترکیہ سفارت خانے سے وابستہ ہوکر اپنے بچاؤ کی تدبیر کرلی مگر یہ بات حکومت کو ناگوار گزری اور فیصلہ کیا کہ پیروان مرزا یحییٰ کو قبرص اور مرزا حسین علی کو مع ساتھیوں کے (فلسطین) عکا میں جلا وطن کردیا جائے۔

یحییٰ کے طرفدار، بیرونی امداد کے منقطع ہونے کے بعد آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑنے لگے اور حسین علی جو بہاء اللہ کے لقب سے ملقب ہوکر علی محمد کو اپنا مبشر بتاکر خود نئے مذہب کا نیا سربراہ بن بیٹھا۔ حسین علی نے باپ کی طرح قدم بڑھائے۔ پہلی بات یہ کہی کہ علی محمد تمہید تھے اصل وہی ہے۔ باب ہماری آمد سے مطلع کرنے، ہمارے ظہور کی خبر دینے آئے تھے۔ اب بابیت کا دور ختم ہوا اور بہائیت کا آغاز ہے۔ اس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اس کے بعد خدائی کا دعویٰ بھی کیا۔ لیکن عکا کی فضا سازگار نہ دیکھ کر خود کو مسلمان بھی کہتا رہا۔ بیس سال سے زیادہ عرصے تک اس نے فضا ہموار کرنے اور بابیوں میں اثر و اقتدار جمانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اور کام بھی کیے۔ خاص بات یہ ہے کہ حکومت روس یہاں بھی اس کی مکمل حمایت کرتی رہی اور ماہانہ تنخواہ یا وظیفہ بھی دیتی رہی۔ حکومتِ عثمانیہ اس فرقہ پر مسلسل نظر جمائے تھی اور لگاتار ہی دباؤ جاری تھی۔ اس لیے بہائیوں نے ایک مرتبہ پھر ایران کی طرف رجوع کیا اور واپسی کی تدبیر سوچی۔ شاہِ ایران کو خود حسین علی نے معافی اور ایران واپسی کی درخواست لکھی۔ لیکن حکومت نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ اب عکا کے بہائی پوری طرح حکومت ترکیہ سے امداد و وابستگی پر نظر جما بیٹھے اور دربار سلطان عثمانی سے منت سماجت اور طلبگار رضا ہوئے۔

حسین علی بہا کے مرنے پر اس کا بیٹا مرزا عباس، یعنی عباس آفندی بہائیوں کا لیڈر بنا اور اس نے عبدالبہا کے نام سے اپنی شہرت چاہی۔ عباس آفندی بھی بادشاہ ترکیہ کو خوش کرنے کے لیے ہر قسم کی خوشامد کرتا اور مسلمان ہونے کا دم بھرتا رہا۔ اس نے علانیہ عثمانی حکومت کی حمایت جاری رکھی۔

روس میں کیمونسٹ انقلاب برپا ہونے سے حالات بدل گئے۔ نئی حکومت نے بہائیوں کو زار روس کا دوست قرار دیا اور اپنے اخراجات کی زیادتی کی بنا پر مالی امداد میں بے حد کمی کردی۔ عبدالبہا نے برطانیہ کے ساتھ تعلقات کو از سرنو بحال کرنے اور حکومت عثمانیہ کے خلاف کام کرنے کی ٹھانی اور جاسوسی کرنے لگا۔ جنگ عظیم اول اور فلسطین میں انگریزی فوج کے داخل ہوتے وقت عبدالبہا کی رہبری میں بہائیوں نے انگریزوں کی مدد کی۔ حکومت ترکی نے عباس آفندی کی زیر زمین سرگرمیوں سے باخبر ہوتے ہی اقدامات تجویز کیے، فلسطین کے کمانڈر انچیف نے جاسوسی کے الزام میں قتل کا فیصلہ کیا۔

لیکن برطانیہ کی انٹیلی جنس سروس نے تیزی دکھائی، اس کی اطلاع پر لارڈ بالفر وزیر خارجہ برطانیہ نے جنرل ایلن بی کو فلسطین تار دیا جس میں عبدالبہا کی جان بچانے اور بہائیوں کی حفاظت کا حکم تھا۔

## برطانیہ کی طرف سے اعتراف خدمت:

عبدالبہا کی جاسوسانہ خدمات کے صلے میں جنگ ختم ہونے کے بعد گورنمنٹ برطانیہ نے ایک شاندار اجتماع میں ”نائٹ ہڈ“ کا اعزازی میڈل اور سر کے خطاب سے نوازا۔ اس کے جواب میں عبدالبہا نے حکومت برطانیہ کی خوشامد وفاداری و مدح گستری میں ایک لوح جاری کی۔

عبدالبہا کی موت پر برطانیہ سفارت خانوں اور کونسل خانوں نے بہائیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور سرکاری طور پر تار اور خط بھیجے، سرونسٹن چرچل وزیر نو آبادیات نے جنرل ایلن بی کو حکم دیا کہ شاہنشاہ برطانیہ کی طرف سے بہائیوں کو تعزیت پیش کرے۔ سر ہربرٹ سموئیل برطانیہ چیف کمشنر اور سرڈونالڈ ہربرٹ، مشرقی وسطی کے پولیٹیکل ایجنٹ اور دوسرے بڑے بڑے عہدیداروں کو عبدالبہا کے جنازے میں شرکت کا حکم دیا گیا۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہربرٹ سموئیل ہی وہ شخص ہے جس نے اسرائیلی حکومت قائم کی۔

عبدالبہا کے بعد اس کا نواسہ، جنسی کج روی کا شکار شوقی آفندی وصیت کے مطابق بہائیوں کا رہنما بنا اور اب یہ نظام برطانیہ کے استعمار کا ایک سیاسی وخطرناک ادارہ ہے۔ شوقی نے لندن میں تعلیم حاصل کی اور انگریزوں کے ہدایات کے مطابق ”محفل بہائیاں انگلستان“ کی بنیاد رکھی۔ پورے انگلستان، اسکاٹ لینڈ، ویلز، شمالی وجنوبی آئرلینڈ میں انجمن کا جال پھیلایا۔

یوگنڈا پر انگریزی تسلط کا دور بہائیوں کے لئے مفید رہا۔ ان لوگوں نے جاسوسی ادارے کے ذریعے کمپالا میں ایک عبادت خانہ بنالیا۔ شوقی آفندی نے استعماریوں سے تعلقات بڑھائے۔ امریکا اور دوسری دنیا میں ”محافل“ کی تاسیس شروع کردی۔ حقیقت یہ ہے کہ فری میسن اداروں نے نیچے آکر بہائیت کا روپ دھار لیا ہے۔ دنیا کے انٹیلی جنس اداروں، خصوصاً سی آئی اے نے اپنے شرارت پسندانہ منصوبوں میں بہائیوں سے مدد لی۔

شوقی آفندی کا کوئی لڑکا نہ تھا اس لئے نو افراد پر مشتمل ایک کونسل تشکیل دی جسے ”بیعت العدل“ کہا گیا، یہ کونسل اور ارکان شوریٰ دنیا بھر کے بہائیوں کے معاملات کے لئے اساسی ارکان تھے۔ شوقی آفندی کی موت کے بعد اس کی وصیت کے مطابق چارلس مین ریمی کو صدر بیعت العدل نامزد کیا گیا۔ چارلس سی آئی اے کا امریکی نمائندہ تھا۔ اس کی سربراہی پر بہائیوں نے اعتراض کیا، خصوصاً برطانیہ نواز گروپ نے اچھی خاصی مخالفت کی۔ اب بہائیوں میں دائیں بائیں بازو اور رنگا رنگ فرقے ابھر چکے تھے اور آج کل بہائیت سامراجیوں کا آلہ کار ہے۔ وہ خونخواران جہاں کے بین الاقوامی اقتدار کا خواب دیکھ رہی ہے۔

## سامراجی طاقتوں سے بہائیوں کے روابط

### ا- بہائیت اور روس

بہائیت کے نقطۂ آغاز ہی سے روسی حکومت خفیہ اور علانیہ طور پر اس گروپ کی حمایت کرتی رہی، وہ جنوبی گرم پانی تک پہنچنے کے لئے پطرز کبیر کی آرزو پوری کرنے کی خاطر توسیع طلب منصوبے بناتی تھی، ان میں ایرانی حکومت سے مقابلہ بھی ہوتا تھا، بہائی تحریک کی حمایت اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ حسین علی کا روسی سفارت خانے میں پناہ لینا، بابیوں کے معاملات میں حکومت روس کی مداخلت، حسین علی کی جان کا تحفظ اور عراق پہنچانے کی نگرانی، ماہوار تنخواہ کا تقرر، زار حکومت کی دعا اور حمایت میں الواح کا لکھنا اور دعاؤں کا

بھیجنا، ایسے حقائق ہیں جن کا بے چوں و چرا آج بھی بہائی اعتراف کرتے ہیں۔

## ۲- بہائیت اور عثمانی حکمران

عثمانی شہنشاہیت، خلافت اسلامی کی مدعی اور مسلمان آبادی کے طویل و عریض علاقے پر حکمران تھی، سیاسی اور فرقہ وارانہ اختلاف کے علاوہ سامراجیوں کی سازش کے ہاتھوں اس کے ایران سے تعلقات کشیدہ، معاملات پیچیدہ اور جنگ جیسے حالات رہتے تھے۔ ہر ممکن لمحے ایران پر چوٹ لگانے اور فائدہ اٹھانے سے غافل نہ ہوتی تھی۔ اسی نکتے کے پیش نظر حکومت عثمانی نے بابیوں کو اپنے دامن میں پناہ دینا مصلحت سمجھا، بابی گروپ کو حکومت ایران کے خلاف استعمال کرنے کا امکان ہونے کے ساتھ ساتھ یہ نقصان رسانی کا فائدہ بھی تھا کہ مسلمان ایران کے مذہبی قلعے میں شگاف پیدا ہو۔ چنانچہ والی بغداد نے بابیوں کے لیے شہریت حاصل کی اور جس قدر مدد کرسکتا تھا، مدد کی۔ جواب میں حسین علی نے تائید و دعاء حکومت کے بارے میں لوح لکھی۔

## ۳- بہائیت اور انگریز

عثمانی حکومت بابیوں کو پناہ دے کر کچھ افراد کے ہاتھوں چند مشکلات سے دوچار ہوگئی، سب سے بڑی بات ان لوگوں کا مخالف حکومتوں کی سفارتوں سے وابستگی تھی۔ ترکیہ حکومت نے خطرہ محسوس کرتے ہی بابیوں کی حمایت چھوڑ دی اور سرخ انقلاب میں آئے ہوئے روس نے تعلقات توڑ لیے۔ دوسری طرف قدیم ترین برطانوی سامراج اپنے استعماری ذرائع مثلاً جاسوسوں اور سفیروں کے ذریعے بابیوں کے مسئلہ کو بڑی اہمیت و نزاکت کی نظر سے دیکھ رہا تھا اور موقع بموقع حمایت و کمک بھی جاری تھا۔ انگریز تاک میں تھے کہ موقع ملتے ہی جال پھینکیں۔ روس اور حکومت عثمانیہ کی دست کشی کے بعد میدان خالی ہوگیا، ادھر بابی بھی کسی طاقتور پناہ گاہ کی تلاش میں تھے۔

دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی، دونوں نے پرانے مراسم بڑھانا شروع کیے اور بہائی برطانوی سرکار میں مقرب بن گئے اور فری میسری اور بین الاقوامی سامراجیت کے مرکزی کردار کا قلادہ گلے میں ڈال کر فلسطین میں مطلوبہ خدمات کے لیے آگے بڑھے۔ برطانیہ نے اس کے صلے میں ''سر'' کا خطاب دیا۔ حکومت برطانیہ نے وزارت نو آبادیات اور شعبۂ مذہبی امور کے مقاصد و مفادات کے مطابق اس سے کام لیا اور بہائیوں نے انگریزوں کے تسلط یا نیم تسلط یافتہ علاقوں میں وزارت خارجہ، جاسوسی ادارے اور استعماری مقاصد کی پیشرفت میں مدد کی۔ خصوصاً براعظم افریقہ میں تو ان لوگوں نے بڑھ چڑھ کر خدمات انجام دیں اور دل کھول کر فائدے اٹھائے، برطانیہ کا گرگ باراں دیدہ، ستم رسیدہ، مظلوم و محکوم عوام کی بیداری و آزادی کی تحریک اور اتحاد، خصوصاً اسلام کی طرف افریقہ والوں کے جھکاؤ کو خطرہ کی علامت سمجھ رہا تھا۔ اس طوفان کی تیزی روکنے کے لیے ''بہائیت'' اسلامی فرقہ کے نام سے بہت کارآمد تھی۔ اس تعلق کے ثبوت میں ''محفل بہائیان'' کی مرکزی اور ذیلی تنظیموں کا برطانوی ممالک میں قیام کے علاوہ، بہائیوں اور ان کے رہنماؤں کے وہ جذبات میں جو انہوں نے درندہ صفت برطانوی افراد حکومت یا حکومت کے لیے لکھے ہیں۔

### بہائیت اور صہیونیت:

پہلی جنگ عظیم کے افسوسناک ترین نتائج میں وہ معاہدہ ہے جو وزیر خارجہ برطانیہ لارڈ بالفورڈ اور یہودی سرمایہ دار ''لارڈ ریچلڈ'' میں ہوا، جس کی بنیاد پر فلسطین میں یہودیوں کی از سر نو آبادکاری اور قومی کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ فلسطین کی مقدس سرزمین پر یہودیوں کی آبادکاری بوڑھے سامراج، برطانیہ کے چہرے پر بدنما داغ ہے اور امریکا کے جرائم میں اس جرم عظیم نے اسے اور رسوا کیا ہے۔ فلسطین پر کنٹرول سنبھالنے کے بعد برطانیہ نے مشرق وسطی میں اپنے قدم مضبوط رکھنے اور مسلمان علاقوں پر اقتدار جمانے کا خواب دیکھا۔ ادھر مسلمانوں میں

بیداری و آزادی کی لہر اٹھ رہی تھی اور مشرق وسطیٰ میں سامراجی مفادات کو خطروں کا سامنا دکھائی دیا۔ اس نے سوچا کہ منطقے میں ایک چوکی رکھنا ضروری ہے۔ سر ہربرٹ سموئیل، یہودی سرمایہ دار ڈیپلومیٹ کو اس کام کے واسطے چنا، یہ پولیٹیکل ایجنٹ یا کمشنر یہودیوں کی فلسطین واپسی کا پروگرام بنانے کے لیے آیا تھا۔ بہائیوں کا دوست اور مددگار آدمی تھا، جس نے عبدالبہا کے جنازے میں شرکت بھی کی تھی۔

فلسطین پر انگریزی تسلط کے سلسلے میں بہائی شانہ بشانہ مددگار تھے، صہیونیوں سے تعاون اور طرح طرح کے معاملات میں ان کے قدم بقدم چل رہے تھے۔ چنانچہ ریاست یہود کے قیام کے بعد بہائی فلسطین میں حصہ داری کا دعویٰ کرنے اور اسے ارض مقدس کہنے لگے، فلسطین میں انہوں نے اپنے بڑوں کو دفن کیا اور مسلمانوں کی دشمنی کا مورچہ لگایا۔ بہائیوں نے فلسطین میں صہیونی حکومت کے قیام کا خیر مقدم کیا۔ اقوامِ متحدہ نے فلسطین کے مسئلے کا جائزہ لینے کے لیے جو کمیشن بھیجا تھا، بہائیوں نے اس کمیشن کو مطالبہٗ یہودی کی حمایت میں ایک یادداشت لکھی۔ اسرائیل کی غاصب حکومت کے قیام و استحکام کے لیے دل و جان سے کوشاں ہیں، وہ بڑی ڈھٹائی سے ایک قوم کے حقوق کی پامالی اور سامراج کے پھیلاؤ کو خدائی عہد کی تکمیل کا نام دیتے ہیں۔ اس خدمت و خلوص کے جواب میں حکومت اسرائیل نے سرکاری طور پر ان کے گروہی افکار کو قانونی دین تسلیم کیا ہے اور بہائیوں نے پوری آزادی اور سہولتوں کے ساتھ عکا میں عالمی بہائی مرکز قائم کر لیا جسے صہیونی حکومت امداد بھی دیتی ہے۔ عکا ہر پر کیا منحصر، امریکا میں بھی ان کا مرکز صہیونی امداد سے بنا اور وہ مرکز خونخوار سامراج کے مفادات کی تکمیل و توسیع میں سرگرم عمل ہے۔ بہائیوں کی جاسوسی اور نقصان دہ سرگرمیاں (صہیونزم کی ترقی اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ) بڑھتے بڑھتے عربستان تک پھیل گئیں اور اسرائیل عرب جنگ میں ان کا کردار سب نے دیکھ لیا۔

## ایران میں بہائیت اور صہیونزم قبل از انقلاب اسلامی:

پہلوی دور میں ایران، مشرقی وسطیٰ کا ایک سرحدی قلعہ تھا اور استعماریوں کے مفادات کی نگہبانی اس کے ذمے تھی۔ اس لیے بہائی اور صہیونی شاہ کے ساتھ تھے اور بہائیوں نے خائن محمد رضا پہلوی کو رشوت اور پارٹی بازی کی بنیاد پر حامی بنا کر حکومت میں دسترس حاصل کر لی۔ پھر آہستہ آہستہ ذمہ دار اور کلیدی اسامیوں پر قبضہ کر کے رکن سلطنت پہلوی بن بیٹھے تھے، صہیونی رژیم ہویدا کے پندرہ برسوں میں ان کے متعدد افراد وزیر و نمائندگان مجلس ہوئے، ان لوگوں نے کارخانے بنائے، بینکاری اور صنعتی سرمایہ کاری و سرمایہ داری کے مالک ہوئے۔ اس عہد کے متعدد سیاسی لیڈر بہائی تھے، مثلاً ہژبر یزدانی (مشہور سرمایہ دار) منوچہر تسلیمی (ہویدا کابینہ میں وزیر تجارت) بریگیڈیئر مقربی، جنرل علائی، پروفیسر حکیم اور شاہی خصوصی ڈاکٹر ایادی...... کے نام مشہور ہیں۔ بلا مبالغہ، مجرم شاہ کے دور میں فری میسن کے بعد جس گروپ نے سیاست و اقتصادیات ایران میں مرکزیت حاصل کر رکھی تھی وہ بہائی تھے اور پینتیس سالہ دور حکومت پہلوی کے ظلم و ستم، بدبختی، قتل اور کشتن کا کام ان بہائیوں کے کاندھوں پر رہا جو اسلام اور مسلمانوں کے خاتمے کے داعی تھے۔

## بہائیت اور امریکا:

جنگِ عظیم دوم کے بعد، نوجوان استعماری قوت امریکا، دراصل برطانوی سامراج اور صہیونزم کا مرکب بنی۔ گرگ باراں دیدہ برطانیہ نے بہت سے مقامات پر کمزور قوموں کو ہضم کرنے کے نسخے جن میں بین الاقوامی صہیونزم کو دیئے وہ ان کا نیا اور تازہ دم جوان شاگرد ہے اور خونخواریٔ عالم کا ٹھیکہ آج کل اسی کو دے رکھا ہے۔ اس وقت مرکز قوت ہونے کے دعویدار دو ہیں امریکا اور اسرائیل۔ دنیا بھر کا سرمایہ امریکا اور امریکا (نیز دوسری دنیا) کا سرمایہ یہودیوں کے قبضہ میں ہے

اور یہی لوگ فری میسری اداروں کے راس و رئیس ہیں۔ بین الاقوامی سامراج کا سمبل امریکا ہے۔ جفاکش محرومینِ عالم کے خلاف اقدامات کے منصوبے امریکا سے آتے ہیں اور انہیں بروئے کار لانے میں اسرائیلی پیش پیش ہیں اور یہ بات شک و شبے سے بالا ہے کہ بہائیوں نے بھی ایمپیرلزم سے ارادت مندی کے اظہار میں کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیا۔ اس ارادت و خدمت گزاری کا وہ اظہار بھی کر چکے ہیں۔

خود صدر امریکا ریگن نے بھی رسمی و قانونی طور پر ایک بیان میں بہائیوں کی حمایت کرتے ہوئے ایران میں بہائیوں کی حالت پر مگرمچھ کے آنسو بہائے اور ہمدردی کا اظہار کیا ہے اور رہبر کبیر انقلاب اسلامی ایران حضرت امام خمینیؒ ۲۸ مئی ۱۹۸۳ء کے ایک بیان میں فرمایا:

"اگر ما دلیلے نداشتیم بر اینکہ بہائی ہا جاسوس امریکا ہستند جز طرفداری ریگان از آنھا کافی بود۔"

"بہائیوں کے امریکی جاسوس ہونے پر اگر ہمارے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی تو بھی ریگن (صدر امریکا) کی حمایت بہائیاں ہمارے لیے مکمل دلیل تھی۔"

یہ حقائق ثابت کرتے ہیں کہ بہائیت استعمار کا آلہ کار، امریکا کی تجربہ کار سپاہ اور سامراجیوں کا ایجنٹ ادارہ ہے۔ لہٰذا جہاں جہاں سامراج سے مقابلہ کیا جارہا ہے، وہاں وہاں بہائیت سے نپٹنا ضروری ہے۔

## چند اہم نکات:

بہائیت کے کارکن استعمار ہونے سے قطع نظر، بہائی عقائد کی تشہیر بذاتِ خود سامراج کے لیے مفید ہے۔ اگر یہ گروہ اپنے باطل و غلط عقائد کسی معاشرے میں پھیلادے تو سامراجیوں کے لیے اپنی ثقافت مسلط کرنا آسان ہوجاتی ہے، کیونکہ فضا بنی بنائی ملتی ہے، لہٰذا وہ قانونی اور رسمی طور پر آزادی یعنی مادر پدر آزادی کو لوگوں کی گردن پر مسلط کرنا آسان سمجھتے ہیں۔ بیسوی صدی میں استعمار، جدید ترین اسلحے سے مسلح اور اعلیٰ درجے کے ساز و سامان سے لیس ہوکر نکلا، نیو کالونی ازم (نئی ذیلی ریاستی سیاست) کو معلوم ہے کہ دینی عقائد معاشرے کی تشکیل و استحکام میں بڑے دور رس اثرات رکھتے ہیں۔ زندگانی بشر سے مذہبی عقائد کی جدائی ممکن نہیں۔ اسی بنا پر سامراجی اس فکر میں رہتے ہیں کہ مذہبی اعتقادات کی نئی تعبیر و تاویل و تشہیر کے ذریعہ بنیادی اصولِ عقائد کی جڑیں ہلائیں پھر معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے اثرات کو بے نتیجہ کردیں۔ خصوصاً اسلامی فکر، اسلامی عقائد اور اسلامک آئیڈیالوجی مستضعفین عالم میں قوت مقاومت و آزادی کوشہ دیتی اور ظلم و ستم سے ٹکر لینے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔ سامراجیوں کے خیال میں اس کا توڑ فرقہ سازی اور عقائد میں مسخ و تحریف کا عمل ہے، جس سے انقلابی شخصیتوں کے ابھرنے کی صلاحیت ختم ہوسکتی ہے۔

## اعتقادات کا مسخ و انحراف:

مہدویت یا ایک نجات دہندہ بشریت کا اعتقاد، یعنی خدا کی طرف سے ایک طاقتور مصلح کی آمد ہوگی، خدا کی امداد و قوت سے کمزور اور محروم انسانوں کو انصاف مہیا کیا جائے گا اور عالمی عادلانہ حکومت قائم ہوگی۔ یہ عقیدہ آسمان سے وابستہ تمام ادیان و مذاہب میں موجود ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اسلام میں یہ عقیدہ گہرائی، معقولیت اور زور کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ عدل پرور نجات دہندہ بشر کے فلسفے نے محروم اور کمزور عوام کو ہمیشہ ظلم سے ٹکر لینے پر ابھارا اور کامیابی کی امیدوں سے بہرہ ور کیا ہے۔ اسی زاویہ سے مذہب پر حملہ بھی کیا جاتا ہے۔ سرمایہ دار زور آور، فریب کار اس عقیدہ کا مذاق اڑاتے اور نفی کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ استعماریوں کے مقابل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ چنانچہ شیطانی فتنہ پرور گروہ شگوفہ چھوڑنے اور تحریف و تغیر کے ذریعے اس عقیدے کو ضعف پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ایک شخص مہدی موعود بن بیٹھے تو کوئی نکسیر نہیں پھوٹے گی، ظالم

اپنی جگہ مستحکم بیٹھا رہے گا، بلکہ مہدی صاحب بجائے ان سے ٹکر لینے کے ان کی تائید فرماتے، دعائیں دیتے اور امداد دریغ نہ رکھتے۔ اس کے نتیجے میں کمزور عوام عقیدے سے بددل ہوتے، ان کی آس، یاس سے بدل جاتی، مقابلے کی طاقت سلب ہوجاتی، ثابت قدمی میں کمزوری اور استعمار کو قوت ملتی ہے۔ مہدی سازی کی یہ چاٹ استعمار کے لیے مفید ثابت ہوئی۔ انیسویں بیسویں صدی کے درمیان مہدیوں کا بیک وقت ظہور شروع ہوگیا، مگر انگریزی نوآبادیات میں وہ بھی سونے کی چڑیا ہندوستان یا اس کے اردگرد راہ پاٹ میں اور شمالی افریقہ میں بھی، ان مدعیان مہدویت کے پرستاروں میں بہائی مشہور ترین و مضبوط ترین گروہ ہے۔ اسی وجہ سے فرقہ بہائی اپنے جھوٹے اور بے دلیل دعوے کے علاوہ کمزور اور زیر دست اقوام کے لیے خطرناک ترین گروہ ہے۔ یہ گروپ استعمار کے لیے راہ ہموار کرنے اور یہ لشکر سامراج کے لیے مورچے بنانے کا کام کررہا ہے۔

بہائی تعلیمات میں تضادات سے ان کے مذہب پر یقین کو ضعف پہنچتا ہے اور انسان شک میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ حسین علی بہا، ایک جگہ امام زمانہ بنتا ہے، دوسرے دن پیغمبر آخر الزمان و داعی دین جدید ہونے کا مدعی، تیسرے دن خدائی کا اعلان کرتا ہے۔ اس کا فطری تقاضہ یہ ہے کہ آدمی بھروسہ کھو بیٹھے اور معاشرے میں یہ تاثر پھیلے کہ مذہب بے بنیاد چیز ہے، جب مذہب میں تضادات ہی تضادات ہیں تو اس سے بہتر ہے کہ آدمی بے دین رہے۔

ایک اور شعبدہ بازی، لفظوں سے کھیل اور حروف ابجد کا تماشا ہے۔ عجیب عجیب عبارتیں اور نئی نئی اشارتیں ہیں، روشن خیال اور پڑھے لکھے لوگ اس سے بھی بدظن ہوتے اور سادہ لوح جاہل اس جال میں پھنس جاتے ہیں۔

بہائی کتابوں میں اس قسم کے مہملات و تضادات جب کھل کر سب کے سامنے آئے تو ان کے سربراہوں نے تمام کتابیں اور تحریریں سمیٹ کر چھپادیں اور آج ان میں خاص الخاص محرمانِ راز اور محافل بہائیت کی مذہبی شخصیتوں کے علاوہ کسی کی رسائی ان کتابوں تک ممکن نہیں ہے۔ اس احتیاط کے باوجود اربابِ تحقیق، کتابخانہ مجلس شوریٰ اسلامی ایران (تہران) مصر، لندن، پیرس، ماسکو، لاہور وغیرہ کے کتب خانوں میں کچھ نہ کچھ مطبوعہ اور قلمی کتابیں تلاش کرلیتے ہیں۔

بہائیت نے شروع میں تضادات کا پرچار اس لیے کیا کہ بے معنیٰ و کمزور عقائد کے بعد اعتقادی حس بے جان کرکے، چند نام نہاد نعرے اپنائے۔ تعصب دشمنی، درگزر اور اعتقادات میں عدم مداخلت جیسی باتوں کی تبلیغ شروع کردی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ گروپ نہ اعتقادات کا حامل ہے، نہ مذہبی گہرائی و گیرائی رکھتا ہے۔ نہ انسانی اقدار کا احترام کرتا ہے، کیونکہ اس نے کبھی سامراجی کلچر اور استعماری تہذیب و افکار کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔

## اخلاق سے جنگ:

یہ کلیہ ہے کہ جہاں بھی سامراج قدم رکھتا ہے، وہاں سے اخلاق اور باہمی احترامات کو نکال باہر کرتا ہے۔ اس سے محکوم قوم میں مقابلہ کی قوت کمزور ہوجاتی ہے۔ کیونکہ جس قوم میں اخلاقی اقدار ہوں، تقویٰ پاکدامنی، صداقت، شرافت، غیرت، حمیت جیسے جذبات ہوں تو اس کے لئے کسی نااہل کے سامنے جھکنا مشکل ہوتا ہے اور کوئی استعمار آسانی سے اس پر مسلط نہیں ہوسکتا۔

بے حیائی' شراب نوشی، بے غیرتی عوام میں پھیلے گی تو اخلاقی کھنڈروں سے اخلاقی شخصیتیں گرفتار ہوکر شکنجہ میں لائی جاسکیں گی۔ سامراج کی ماتحت قوموں پر ایک نظر ڈالیے تو آپ پر یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ دنیا کے غریب عوام زوروزر کی کن بھٹیوں میں جلائے جارہے ہیں۔ نائٹ کلب، میخانے' ناچ گھر اور رقص وموسیقی کے جشن اور تقریبات کے اجتماع اور ان میں پاگل بنادینے والے پروگرام' جادوگرانہ رقص، کلچر، ہنر اور عوامی یا لوک ساج کے نام سے عیاشی و اوباشی کی جو ترویج

کی جاتی ہے' معاشرے میں جو سرطان پھوٹتے ہیں' وہ استعمار کی پہلی دین ہوتی ہے۔ مسجدیں اور عبادت خانے بند، عوام کا مقدس مقامات سے قطع تعلق مطالعے میں کمی اور عوام کے اطلاعات میں انحطاط' اخلاقی اور ذہنی استواری کے عوامل کا فقدان سامراجی تہذیبی فتوحات کا پہلا ثمرہ ہوتا ہے۔

تمدن جدید' یعنی مغرب کے عہد بربریت ودحشت اخلاقی کو بہائیت بطور تحفہ وسوغات کے عام کرنے میں پیش پیش ہے۔ وہ انسانیت کے اعلیٰ اخلاقی اقدار اور احساسات سے جنگ کررہی ہے۔ برہنگی' بے پردگی اور عورتوں کی سامراجی آزادی کی تائید وتبلیغ کرتی ہے۔

اس کا اعلان ہے کہ اگر میاں بیوی صاحب اولاد نہیں تو وہ دوسرے مرد یا دوسری عورت سے مدد لے کر تولید نسل کرسکتے ہیں۔

ان کی شریعت میں استمنا مباح ہے۔ فطری' نفسیاتی اور دستوری پردۂ محرم ونامحرم بھی اٹھا دیا گیا' اب سوائے باپ بیٹی کے باہمی ازدواج کے' سب کچھ جائز ہے۔ زنا کا جرمانہ نومثقال۔ شادی شدہ عورت ہو یا غیر شادی شدہ عورت' سزا میں کوئی فرق نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح اوباشی کو پوری چھوٹ دی گئی ہے۔

## عوامی سیاست کا مقابلہ

بہائی' سیاسی گروہ سامراجی مہرۂ شطرنج سیاست ہونے کے باوجود پہلے دن سے اپنے پیروکاروں سے کہتے اور دنیا میں پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ بہائیت کے ماننے والے سیاست سے دور رہیں۔ سیاست ممنوع ہے۔ اس سلسلے میں عباس آفندی کا مشہور جملہ بہائیوں کا قومی شعار سمجھا جاتا ہے۔ عباس آفندی نے کہا:

''بہائی ہونے نہ ہونے کا معیار یہ ہے کہ جو شخص سیاسی معاملات میں دخل دیتا اور اپنے فرائض سے زیادہ بات کرتا یا قدم اٹھاتا ہے تو یہی مکمل دلیل ہے کہ وہ بہائی نہیں۔''

یہی شخص ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

''عوام پر حکمران حکام وحکومت پر اعتراض کرنے کا کسی بہائی کو کوئی حق نہیں ہے' ان کے معاملات میں دخل نہ دیں' ان کو اختیارات وحکومت پر چھوڑ کر دلوں پر نظر رکھیں۔''

ان افکار وعقائد کا پروپیگنڈہ کر کے دراصل ارباب استعمار کی خدمت گزاری کا فریضہ ادا کیا گیا ہے اور اپنے حلقہ بگوش کو سیاسی پلیٹ فارم سے ہٹا کر ان کے معاشرے کو اپنا پابند وغلام بنایا ہے۔ سیاسی لیڈروں اور سامراجی حکمرانوں کو استبدادیت اور استثمار کے لئے ڈھیل دی' اپنے عوام کو دوہری غلامی پر راضی کیا۔ اس ظلم وستم کے عوض انہوں نے اپنے سیاسی کردار کو پس پردہ رکھ کر دوسروں کے خیالات سے پیچھا چھڑالیا اور دین ومذہب کے نام استعمار کی خوشنودی حاصل کی ہے۔ دوسرے لفظوں میں بہائیوں کی سیاست یہ ہے کہ حکومت کی سیاست میں دخل نہ دینے کا اعلان کیا جائے اور حکومت کی امداد کو سیاسی دستور بنایا جائے۔

(بشکریہ ادارہ ''معارف اسلامی'' کراچی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر ایک کان کٹے مرے ہوئے بکری کے بچے پر سے ہوا آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کون پسند کرے گا کہ یہ (مردہ بچہ) اس کو ایک درہم کے بدلے مل جائے۔''

لوگوں نے عرض کیا ''(درہم تو بڑی چیز ہے) ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ وہ کسی ادنیٰ سی چیز کے بدلے میں بھی ملے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا' قسم اللہ کی دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے' جس قدر یہ (بکری کا بچہ) تمہارے نزدیک۔''